64

جماعت کے مخلصین سے قربانیوں کا مطالبہ

(فرمودہ ۲۶- اگست ۱۹۳۲ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

تمام انسانی ترقیات اس تعلق اور فرمانبرداری کے ساتھ وابستہ ہیں جو انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرتا یا اس کے احکام کی بجا آوری میں جس کا نمونہ دکھاتا ہے۔ مونہہ کے خالی الفاظ کبھی انسان کے کام نہیں آتے۔ اور صرف ظاہری اخلاص انسان کو کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی تعریف میں منافق لوگ وہ کچھ کہا کرتے تھے جو مؤمن بھی نہیں کہتے تھے۔ اور بسا اوقات وہ اپنے اخلاص کو ایسے الفاظ میں ظاہر کرتے تھے کہ ایک ناواقف سننے والا انسان دھوکا کھا جاتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ شاید ان سے بڑھ کر اور کوئی مومن نہیں لیکن جب کام کا وقت آتا' جب قربانی کا مطالبہ کیا جاتا' جب مال اور جان خطرے میں پڑ جاتا اس وقت وہ لوگ بالکل علیحدہ ہو جاتے اور اس طرح آنکھ پھیر لیتے کہ گویا ان کا رسول کریم ﷺ سے کبھی تعلق ہی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے رسول کریم ﷺ کو جو رعب حاصل تھا اور جسکے متعلق آپ خود فرماتے تھے کہ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ [1] مجھے ایسا رعب دیا گیا ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت سے ہی اس کا اثر محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس کی بناء پر منافق یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ [2] کہ جا تو اور تیرا رب دشمنوں سے لڑائی کرو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ لیکن عملاً انہوں نے نہ ایک دفعہ بلکہ بارہا ایسا کر کے دکھایا۔ وہ مونہہ سے تو فرمانبرداری کا ہی اظہار کرتے تھے لیکن انہی میں سے وہ لوگ تھے جو احد کی جنگ کے موقع پر شہر

سے باہر نکلنے کے بعد واپس لوٹ آئے تھے' انہیں میں سے وہ لوگ تھے جو کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں اس لئے ہم لڑائی کے لئے نہیں نکل سکتے' انہیں میں سے وہ لوگ تھے جو بہانے بناتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور انہی میں سے وہ لوگ تھے جو کہا کرتے تھے کہ ہماری فصلیں کاٹنے کے دن ہیں' اس لئے ہم جنگ پر جانے سے معذور ہیں۔ وہ اجازتیں طلب کرتے اور درخواستیں کر کر کے رخصتیں حاصل کرتے تھے۔ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم نہیں جاتے لیکن بہر حال نتیجہ وہی ہوتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے جواب کا تھا۔ ہاں حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کی اکثریت نے کہہ دیا تھا کہ ہم لڑائی پر نہیں جاسکتے لیکن رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کی اقلیت نے کہا کہ ہم جنگ پر جانے سے معذور ہیں کیونکہ منافق اس وقت اقلیت میں تھے اکثریت میں نہ تھے اور گو انہوں نے مونہہ سے ایسا کبھی نہیں کہا لیکن عملاً وہی کچھ کیا جو حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے کیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موسیٰ کے وقت اکثر نے کہہ دیا تھا کہ ہم تیرے ساتھ جنگ پر نہیں جائیں گے اور یہاں اکثر ایسے تھے جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے ارشاد پر اپنی جان و مال کو قربان کردیا۔ یہاں تک کہ بدر کے موقع پر جبکہ کفار مکہ کا رعب اکثر کے دلوں پر چھایا ہوا تھا اور جبکہ رسول کریم ﷺ کے ساتھی ابھی تازہ تازہ مکہ کے مصائب سے نکلے تھے اور جبکہ بہتوں کے پاس ہتھیار تک نہ تھے اور بہت سے ایسے تھے جو ہتھیار چلانا بھی نہیں جانتے تھے اس وقت رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ دشمن اس وقت تم سے تعداد میں زیادہ ہے' تیاری میں زیادہ ہے اور ہتھیار بھی زیادہ رکھتا ہے۔ اب تم لوگوں کا کیا منشاء ہے۔ مہاجرین نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہمارا منشاء یہی ہے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ مگر رسول کریم ﷺ کے دل میں ایک اور بات کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انصار کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ جب تک آپ مدینہ میں رہیں گے وہ آپ کی حفاظت کریں گے۔ چونکہ اب آپ مدینہ سے باہر جنگ کے لئے جارہے تھے اس لئے آپ کو یہ خیال گزرا کہ شاید انصار پر یہ گراں گزرے کہ کیوں انہیں مدینہ سے باہر جنگ کے لئے لے جایا جارہا ہے جبکہ ان کی ذمہ داری صرف مدینہ کے اندرون حصہ تک محدود ہے اس لئے آپ نے مہاجرین کا جواب سن کر فرمایا کوئی اور بولے۔ اس پر ایک اور صحابی اٹھے اور انہوں نے بھی جنگ کرنے کی تائید میں تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کوئی اور بولے۔ انصار اس وقت تک اس لئے خاموش تھے کہ وہ سمجھتے تھے مہاجرین اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ گفتگو کریں کیونکہ

ان پر ہی کفار مکہ کی طرف سے مظالم ہوئے ہیں۔ مگر جب رسول کریم ﷺ نے بار بار اپنی بات کو دُہرایا تو انصار سمجھ گئے کہ آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔

ان لوگوں کا اخلاص اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ باوجود اس بات کے کہ ان کا معاہدہ یہی تھا کہ وہ مدینہ کے اندر رسول کریم ﷺ کی حفاظت کریں گے اور باوجود اس بات کے کہ خدا کے رسول معاہدہ کو توڑا نہیں کرتے۔ اگر انصار اپنے اس معاہدہ پر اصرار کرتے تو ہرگز خدا اور اس کے رسول کا ان پر کوئی گناہ نہ ہوتا لیکن باوجود اس کے کہ بظاہر شرعی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوتی تھی ایک شخص ان میں سے کھڑا ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! شاید آپ کی مراد ہم انصار سے ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں میرا یہی منشاء ہے۔ اس صحابی نے کہا یا رسول اللہ! جب انسان ایمان لے آئے تو پھر یہ سوال ہی کہاں باقی رہ سکتا ہے کہ میرا معاہدہ کیا ہے اور مجھے کس جگہ لڑنا چاہئے۔ خدا کی قسم! اگر آپ سمندر میں ہمیں گھوڑے ڈالنے کے لئے فرمائیں تو ہم وہاں بھی گھوڑے ڈال دیں اور دنیا کی کسی جگہ پر آپ جائیں کوئی دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی دائیں بھی اور بائیں بھی ہم اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے [۳]۔ اگر لڑائی ہی کرنی ہے تو بِسْمِ اللّٰہِ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ وہ چیز تھی جس کا رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کی اکثریت نے نمونہ دکھایا۔ اور ایسی ایک ہی نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں ہمیں تاریخ اسلام سے ملتی ہیں جو قربانی کے ایسے اعلیٰ نمونہ پر مشتمل ہیں کہ دنیا کے پردے پر ان کی نظیر تلاش کرنا محال ہے۔ اور یہ صرف صحابہ کی جماعت سے ہی مخصوص نہیں کسی قوم اور کسی جماعت میں ایسی قربانی نظر آئے خواہ وہ دشمن کی جماعت ہی کیوں نہ ہو دل اس کی عظمت سے لبریز ہو جاتا ہے۔

غرض یہ وہ نمونے تھے جو ان لوگوں نے دکھائے جو رسول کریم ﷺ کے ساتھی تھے اور پھر اکثریت نے یہ نمونے دکھائے لیکن باوجود اس کے ایک اقلیت ایسی تھی اور ضرور تھی جو اپنے نمونہ میں بالکل حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح تھی۔ جس طرح رسول کریم ﷺ حضرت موسیٰ کے مثیل تھے اسی طرح آپ کی جماعت کی ایک اقلیت حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کی مثیل تھی۔ اور گو انہوں نے زبان سے ایسا کبھی نہیں کہا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عملاً انہوں نے ایسا کئی دفعہ کرکے دکھایا اور جب قربانی کا موقع آیا وہ گریز کر گئے۔ ان کے ظاہری بیانات اور ظاہری اخلاص و محبت کی خدا کے حضور کوئی

قدر و قیمت نہ تھی۔ ان کے ظاہری اخلاص کا قرآن مجید نے بھی نقشہ کھینچا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ جب منافق رسول کریم ﷺ کے پاس آتے تو قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ تو اللہ کا رسول ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو یہ سچ مگر یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کو تجھ پر کچھ ایمان نہیں[4]۔ پس ان کی تمام تعریفیں اور تمام تائیدیں جن کا وہ زبانی طور پر اظہار کرتے تھے خدا کے حضور ایک ذرہ بھر بھی قیمت نہیں رکھتی تھیں۔ باوجود اظہار اخلاص کے ایسے لوگ منافق تھے اور منافقوں میں ہی خدا کے حضور شمار کئے جاتے تھے۔ ایسے منافق لوگ درحقیقت ہر زمانے میں ہوتے ہیں خواہ وہ حضرت موسیٰ کا زمانہ ہو خواہ رسول کریم ﷺ کا۔ اور خواہ موجودہ زمانہ۔ پھر ہر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو حقیقی اخلاص رکھتے ہیں۔ پس ترقی حاصل کرنے والی قوموں کو ابھارنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا انسان کو وارث بنا دینے والی وہی قربانی ہوتی ہے جو حقیقی ہو اور جس کا انسانی قلب کے ساتھ تعلق ہو۔ ورنہ مونہہ کے خالی الفاظ کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

ہماری جماعت میں بھی اس وقت دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ وہ بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہی فرمادیا تھا کہ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ[5] یعنی کچھ تو ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا تھا اسے پورا کر دکھایا اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب قربانی کا موقع میسر آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکیں۔ پھر وہ بھی ہیں جو اپنی زبان کی تائید اور نصرت سے ایسے نمایاں اور بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ گویا اگلے پچھلے تمام مومنوں کا اخلاص جمع کرکے انہیں دے دیا گیا ہے۔ لیکن جب قربانی کا وقت آتا ہے' جب خدمت دین کا موقع آتا ہے تو وہ اس طرح پھسل جاتے ہیں جس طرح مچھلی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ وہ ہر مجلس میں آگے بڑھ کر باتیں بنائیں گے' مونہہ پر ان کے قربانی ہوتی ہے' لیکن دل میں نفاق ہوتا ہے۔ وہ ایک مانگے کی نورانی چادر اوڑھنا چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جب ان کے دل سیاہ ہیں تو یہ مانگی ہوئی چادر انہیں کیونکر سفید کرسکے گی۔ اور نہیں سمجھتے کہ دوسرے سے مانگی ہوئی سفیدی انسان کو روشن نہیں کیا کرتی بلکہ اندر کی سفیدی انسان کو روشن کیا کرتی ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں نور نہ ہو تو اس کے چہرے پر بھی نور نہیں آتا۔ اسی لئے منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی باتوں کی طرف نہ دیکھو بلکہ ان کے چہروں کی طرف دیکھو تمہیں نظر آجائے گا کہ ان پر نور نہیں۔ ان کے چہرے دلالت کرتے ہیں کہ

تقویٰ ' اخلاص ' محبت اور قربانی کی ان لوگوں میں کمی ہے۔ جب کبھی قربانی کا مضمون بیان ہو رہا ہو تو تم دیکھو گے کہ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا وہ ایچ پیچ کرکے اس سے نکل جاتے ہیں۔ ہاں جب اپنے فائدہ کی بات ہو تو پھر سب سے بڑے مدعی وہی بن جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ایسے اور ہم ایسے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ہمارے اندر بھی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہم مخلصین کو بڑھانے کی کوشش کریں ' وہاں دوسروں کو گھٹانے کی کوشش کریں۔

نفاق قوم کے لئے ناسور ہوتا ہے۔ جس طرح ناسور جس جسم میں پیدا ہو جائے اسے گھلاتا چلا جاتا ہے اسی طرح نفاق بھی جس شخص یا جس قوم میں ہو ' اسے ہلاکت کے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔ تم نے ناسور کا مریض دیکھا ہوگا۔ بظاہر اس کا سارا جسم اچھا ہوتا ہے اور کسی ایک مقام پر باریک سا سوراخ ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھ پر اور کبھی اور کسی حصہ جسم پر۔ لیکن وہ ذرا سا زخم اندر ہی اندر انسان کو گھلاتا چلا جاتا ہے۔ اگر ایک جگہ سے اچھا ہو جائے تو دوسری جگہ سے نکل آتا ہے اور اگر وہاں سے بھی اچھا ہو جائے تو تیسری جگہ سے پھوٹ پڑتا ہے۔ یہی کیفیت نفاق کی ہوتی ہے۔ بظاہر ایسا شخص بالکل تندرست معلوم ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معمولی بیماری ہے لیکن وہ ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ جس طرح ناسور کی بیماری روح اور جان کو گھلائے چلی جاتی ہے۔ تندرستوں کے زُمرہ سے نکال دیتی اور موت کے قریب کر دیتی ہے۔ اسی طرح نفاق کا بیمار بھی روحانی موت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور روحانی زندگی سے لطف اٹھانے کا موقع اسے میسر نہیں آتا۔ بظاہر اس کے تمام حالات درست ہوتے ہیں۔ لیکن وہ چھوٹا سا نظر آنے والا آزار روزانہ اس کی حالت کو بد سے بدتر بناتا چلا جاتا ہے۔ یاد رکھو نفاق اور ایمان میں لمبا فاصلہ نہیں ہوتا۔ بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید منافقوں کے سر سینگ ہوتے ہیں۔ وہ خود نفاق کی مرض میں مبتلاء ہوتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ نفاق کیا ہوتا ہے۔ دراصل نفاق بھی جنون کی طرح ہوتا ہے جس طرح پاگل آدمی کبھی یہ نہیں مانتا کہ وہ پاگل ہے بلکہ وہ ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نہیں دوسرے پاگل ہیں۔ اور جب اسے علاج کے لئے کہو تو وہ کہے گا میں بالکل اچھا ہوں اسی طرح منافق سمجھتا ہے کہ میں منافق نہیں۔ اور خیال کرتا ہے کہ میں مصلح ہوں ' حالانکہ وہ مفسد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی آتا ہے کہ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو مصلح ہیں مفسد نہیں۔

غرض نفاق اور ایمان میں بہت چھوٹی سی دیوار ہے۔ اتنی چھوٹی کہ وہ ذرا سی ٹھوکر سے ٹوٹ

جاتی اور انسان کو مؤمنوں کے زمرہ سے نکال کر منافقوں میں شامل کر دیتی ہے۔ منافقوں کی علامات بیان کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جب روایت کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' تبادلہ کلام ہو تو گالیوں پر اتر آتا ہے' وعدہ کرے تو اسکی خلاف ورزی کرتا ہے ۔ یہ تین منافقوں کی بڑی علامتیں ہیں۔ منافق ہمیشہ گالیاں دینے والا جھوٹ بولنے والا اور وعدہ خلافی کرنے والا ہو گا۔ سب سے بڑی وعدہ خلافی تو یہ ہے کہ خدا سے عہد کرتا اور پھر مُکر جاتا ہے اور بایں ہمہ وہ نادان خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے انعامات اسے حاصل ہو جائیں گے اور وہ جنت میں داخل ہو سکے گا۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے لئے جہنم تیار کر رہا ہے اور روز بروز اللہ تعالیٰ کے انعامات سے محروم ہو رہا ہے۔

میں اپنی جماعت کے دوستوں کو کہتا ہوں کہ وہ وعدہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کیا ہوا ہے دیکھیں کہ انہیں اس میں کس قدر پختگی حاصل ہے۔ تم اپنے نفسوں پر غور کرو اور سوچو کہ تم نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اسے کس قدر پورا کیا۔ مومن اور منافق میں یہی فرق ہے کہ مومن ہمیشہ یہ خواہش کرتا ہے کہ اسے اور قربانی کا موقع ملے اور منافق ہر قربانی پر روتا ہے اور کہتا ہے مصیبت آگئی۔ چندہ دینا پڑے' تبلیغ کے لئے نکلنا پڑے' خدمت دین کے لئے کوئی تحریک کی جائے ہر موقع پر وہ روئے گا اور کہے گا بڑی مصیبت ہے' ہر وقت چندہ ہی چندہ مانگا جاتا ہے۔ جس کام کو انسان دل سے نہیں کرتا بلکہ روتے ہوئے کرتا ہے' اس کے کرنے پر اسے ثواب کس طرح مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے کاموں کی احتیاج نہیں۔ وہ تو ایک کُنْ کہنے سے قوموں کو بڑھا دیتا اور ایک کُنْ کہنے سے انہیں گرا دیتا ہے۔ مسلمان کبھی ساری دنیا کے حکمران تھے اور یورپین مادر زاد ننگے پھرا کرتے تھے۔ لیکن مسلمان کیوں گر گئے اور کس لئے یورپین ترقی کر گئے۔ یہاں تک کہ آج یورپین کہتے ہیں کہ مسلمان بد تہذیب اور علوم سے نابلد ہیں۔ کس چیز نے مسلمانوں کو ذلیل اور پست کر دیا اور کس چیز نے یورپین لوگوں کو بڑھا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کُنْ کا کرشمہ ہے۔ خدا نے یورپین قوموں سے کہا کہ بڑھو۔ وہ بڑھنے لگ گئیں۔ اور مسلمانوں کو سزا کے طور پر کہا کہ گر جاؤ۔ یہ گرنے لگ گئے۔

پس ہماری قربانیاں کیا چیز ہیں۔ آج جو قربانیاں مسلمان کر رہے ہیں مجموعی طور پر ان تمام صحابہ کی قربانیوں سے بڑھ کر ہیں جو اپنا سارا مال خدمت دین کے لئے رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔ بلکہ آج لاہور کے منافق اس سے زیادہ روپیہ دے سکتے ہیں جتنا مدینہ کے

تمام مومن مل کر دیتے تھے۔ مگر آج کل کے مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ وہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا جو رسول کریم ﷺ کے زمانہ کے چند صحابہ تھوڑے سے روپے سے پیدا کرتے تھے۔ آج کل بمبئی اور کلکتہ میں چلے جاؤ۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی عمارتیں نظر آئیں گی۔ کالج ہوں گے، سرائیں ہوں گی، مسجدیں ہوں گی، بیس بیس لاکھ روپیہ کی عمارتیں بنی ہوئی ہوں گی مگر آج مسلمانوں کی مجموعی قربانیاں وہ رنگ نہیں لاتیں جو مدینہ کے چند مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائیں۔ وہ تھوڑے تھے اور تھوڑا سرمایہ رکھتے تھے مگر باوجود اس کے جب وہ قدم اٹھاتے تھے تو حکومتیں ان کے سامنے گر جاتی تھیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اخلاص والا دل جس سے قربانی کی جائے، ترقی دیتا ہے۔ ورنہ اگر صرف مالی قربانی ہی ترقی دے سکتی تو آج مسلمان بہت زیادہ ترقی کر جاتے۔ اگر کوئی شخص روتا ہوا اپنا آدھا مال بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ فائدہ ہمیشہ انہی قربانیوں کا ہوتا ہے جو خوشی، اخلاص اور بشاشت سے کی جائیں۔ وہ قربانیاں جو بشاشت سے نہیں کی جاتیں ان کا ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یوں قربانی کرنے کو منافق بھی کرتا ہے۔ کبھی لوگوں کو دکھانے کے لئے، کبھی دوسروں کے ضرر سے بچنے کے لئے اور کبھی خود فائدہ حاصل کرنے کے لئے۔ لیکن چونکہ اس کے دل میں اخلاص، محبت اور بشاشت نہیں ہوتی، اس لئے اس کی قربانی خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ پس ضروری ہے کہ ہم جماعت میں اخلاص اور تقویٰ پیدا کریں کیونکہ اخلاص اور تقویٰ پر مبنی قربانیاں ہی سلسلہ کو مضبوط کرتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں جماعت کے مخلصین نہایت شاندار قربانیاں کرتے ہیں مگر منافقوں کی تعداد باقیوں کا کام بھی خراب کر دیتی ہے۔ اور خلوص سے جماعت کا ایک حصہ جو کام کر رہا ہوتا ہے اس میں رخنہ واقع ہو جاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مالی حالت کو مضبوط کرنے کے لئے جو میں نے تحریکیں کی تھیں، ان میں بیرونی جماعتوں نے تو حصہ لیا مگر قادیان کی جماعت ان میں حصہ لینے سے بہت پیچھے ہے۔ مثلاً پچھلے دنوں میں نے کشمیر کے مظلومین کے لئے چندہ کی تحریک کی تھی۔ میں نے دیکھا کہ بیسیوں جماعتوں نے اس پر عمل کیا اور وہ عمل کرتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر قادیان کی جماعت نے اس چندہ میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔ بلکہ کئی کئی مہینے ایسے گزرے ہیں جن میں قادیان کا چندہ صفر کے برابر رہا ہے۔ حالانکہ جب میں نے کہا تھا کہ یہ چندہ نفلی ہے فرض نہیں تو دوستوں کو زیادہ ہوشیار ہو جانا چاہئے تھا۔ اور زیادہ مستعدی سے اسے پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔

کیونکہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قرب نفلوں سے ہی حاصل کرتا ہے۔ وہ چیز جس کا حکم ہو اس سے ترقی مدارج نہیں ہوتی۔ حکم ہمیشہ ان چیزوں کا دیا جاتا ہے جن سے نجات ہو اور ہدایت ان امور کی طرف کی جاتی ہے جو ترقی مدارج کا باعث ہوں۔ پس مجھے افسوس آتا ہے یہ دیکھ کر کہ وہ جماعت جسے دوسروں کے لئے نمونہ بننا چاہئے تھا اس نے قریباً قریباً اس معاملہ میں نہایت ہی غفلت اور سستی کا ثبوت دیا ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ ایسے مخلص بھی موجود ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا۔ میں اس وقت انہیں نظرانداز کرتا ہوں۔ عام طور پر قادیان کی جماعت نے سخت غفلت کا اظہار کیا ہے۔ پھر چندے ہیں ان کے متعلق بھی میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں سستی پائی جاتی ہے جو فرض چندے ہیں ان کے متعلق بھی ہزارہا آدمی ہماری جماعت میں ایسے موجود ہیں جو سالہا سال تک ادا نہیں کرتے اور ہزارہا ایسے آدمی ہیں جو کہتے رہتے ہیں کہ چندے زیادہ ہیں ہم دے نہیں سکتے۔ حالانکہ اگر ان کی جو چندہ دیتے ہیں ایک فہرست بنائی جائے اور چندہ نہ دینے والوں کی بھی فہرست تیار کی جائے تو چندہ نہ دینے والے ایسے ہوں گے جو دینے والوں سے زیادہ آسودہ اور امیر ہوں گے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے نفس پر روپیہ خرچ کرنے کی عادت ڈال لیتے ہیں اور دوسرے خدا کے لئے روپیہ خرچ کرنے کی عادت ڈال لیتے ہیں۔ پھر ہزارہا آدمی ہماری جماعت میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو بسااوقات چندے کے لئے فاقہ برداشت کرتے ہیں اور بسااوقات اپنی بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر مرکز میں روپیہ بھیجتے ہیں اور اس تنگی کے باوجود وہ اپنے دل میں بشاشت پاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا کا قرض اسی لئے ہے کہ اسے ادا کردیا جائے۔ درحقیقت وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے خدا نے جماعت احمدیہ کی تعریف کی ہے ورنہ وہ منافق جو سالہا سال چندوں کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کرتے ان کی وجہ سے کسی جماعت کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے تو لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے والی بات ہے بلکہ دراصل وہ جماعت کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید جماعت کے ساتھ جو الٰہی وعدے ہیں ان میں وہ بھی شامل ہو جائیں گے حالانکہ خدا تو دل کو جانتا ہے اور وہ قلبی کیفیات کے مطابق ان سے سلوک کرے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا صرف اتنا ہی پوچھے گا کہ کون کون احمدی کہلاتا ہے اور جو اپنے آپ کو احمدی کہے گا اسے جنت میں داخل کردے گا۔ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ تو منافقوں کے متعلق فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ [8] منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں

گے مگر یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید انہیں جنت میں سب سے اعلیٰ مقام میسر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی دلوں پر نگاہ ہے اور قلوب اس کے سامنے اسی طرح کھلے ہیں جس طرح آئینہ میں ہر چیز نظر آجاتی ہے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ جہاں انہیں نفلوں کی طرف توجہ کرنی چاہئیے وہاں فرائض کی طرف سے بھی غافل نہیں ہونا چاہئیے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کے سستوں اور غافلوں کی وجہ سے جو ترقی پہلے حاصل ہو اسے بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ پچھلے سال جماعت کے مخلصین نے انجمن سے قرض کا بوجھ دور کر دیا تھا اور میں نے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا مگر مجھ سے غلطی ہوئی جب بعد میں میں نے تحقیق کی تو بعض بل ابھی قابل ادا تھے۔ انہیں ملا کر ایک لاکھ میں سے دس ہزار کے قریب قرض رہ گیا تھا۔ اس سال پھر یہ قرض بڑھنا شروع ہو گیا ہے اور اب تیس ہزار کے قریب قرض ہو گیا ہے حالانکہ ابھی ہمارے مالی سال میں سے صرف چار مہینے ہی گزرے ہیں اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح ترقی کرتا چلا گیا تو تعجب نہیں کہ اس سال کے آخر تک پھر ایک لاکھ روپیہ تک قرض پہنچ جائے۔ حالانکہ ہماری جماعت کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس سے دگنا روپیہ بھی نہایت آسانی کے ساتھ وصول کیا جا سکتا ہے مگر وہ جو کمزور ہیں اور صرف رسمی ایمان رکھتے ہیں وہ اپنا سارا بوجھ ان غریبوں پر ڈال دیتے ہیں جو پہلے ہی اخلاص سے باقاعدہ چندے ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب کبھی کوئی تحریک کی جائے وہ مخلص جو پہلے ہی بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں اور زیادہ حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اور منافق سمجھ لیتا ہے کہ میں اس تحریک سے مستثنیٰ ہوں۔ وہ اپنے آپ کو اسی طرح مستثنیٰ خیال کرتے ہیں جیسا کہ میں نے اکثر دیکھا کہ حضرت خلیفہ اول جب زیادہ بیمار ہوتے تو فرمایا کرتے۔ لوگ اٹھ جائیں میں ہمیشہ دیکھتا کہ آپ کے اس کہنے پر کبھی سارے لوگ نہ اٹھتے بلکہ بعض اٹھ جاتے اور بعض بیٹھے رہتے۔ جب آپ دیکھتے کہ اب بھی کچھ باقی ہیں تو آپ فرمایا کرتے کہ اب نمبردار بھی چلے جائیں۔ ایک دفعہ ہنس کر مجھے فرمانے لگے نمبردار ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو علاقہ کا نمبردار خیال کر کے سمجھتے ہیں کہ ہمیں حکم نہیں ملا، دوسروں کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ منافق بھی اپنے آپ کو نمبردار خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم مستثنیٰ ہیں۔ لیکن جماعت کا وہ حصہ جو قربانی کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص اور قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا اور یقیناً وہ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو کھینچ رہے ہیں۔ لیکن ان کی قربانیاں منافقوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھی بھڑکا رہی ہیں۔

جب ایک بوجھ کے نیچے دبا ہوا انسان اور زیادہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے تو جہاں اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑھتی ہے' وہاں غافلوں کی طرف اس کا غضب بھی حرکت کرتا اور ان کے نفاق کو بالکل برہنہ کر دیتا ہے۔ پس میں ان کو جو ست ہیں اور ان کو بھی جو اپنے آپ کو نمبردار سمجھتے ہیں کہتا ہوں کہ ایک دن وہ بھی مر کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ اس میں نہ پہلے لوگ ہمیشہ زندہ رہے اور نہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مونہہ سے کہہ دینا کہ ہم تنگدست ہیں یہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ہم نے کروڑپتی بھی ایسے نہیں دیکھے جو اپنی حالت پر خوش ہوں۔ ہم نے لاکھ پتی ایسے دیکھے ہیں جو اپنی تنگدستی کا رونا روتے ہیں۔ انہیں یہ شکوہ ہوتا ہے کہ وہ کروڑپتی کیوں نہیں ہو جاتے۔ جب ایک کروڑ حاصل ہو جائے تو پھر یہ حسرت ہوتی ہے کہ دوسرا کروڑ کیوں حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب دو کروڑ ہو جائے تو تیسرے کروڑ کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

غرض یہ رونا تو دل سے تعلق رکھتا ہے' روپوں سے نہیں۔ اس کے مقابلہ میں بعض اخلاص والے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں رکھتے مگر وہ ایسے خوش ہوتے ہیں گویا انہیں سارے جہان کی بادشاہت میسر ہے۔ ایک دفعہ یہاں کے ایک غریب شخص نے مجھ سے اصرار شروع کیا کہ میں اس کی دعوت منظور کروں۔ مجھے اس کی دعوت منظور کرنے سے حجاب آتا کیونکہ میں سمجھتا کہ اسے خود تو کئی کئی دن کے فاقے آتے ہیں اگر میری دعوت کرے گا تو ان فاقوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ آخر کہیں سے لے کر ہی خرچ کرے گا' اس لئے میں دعوت منظور نہ کرتا۔ مگر کچھ مدت کے بعد جب اس کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ اب میرا انکار اس کی دل شکنی کا موجب ہو گا۔ چنانچہ میں نے اس کی دعوت منظور کر لی۔ اتفاقاً اس دن ہمارے ایک دوست آئے اور دعوت میں شریک ہوئے۔ ان کی یہ خصوصیت ہے کہ جو ان کے دل میں آتا ہے فوراً کہہ دیتے ہیں۔ پنجابی زبان میں ایسے لوگوں کو مونہہ پھٹ کہتے ہیں۔ جب دعوت کھا کر باہر آئے تو وہ مجھ سے کہنے لگے۔ کیا آپ ایسے لوگوں کی دعوت بھی قبول کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا آپ اس شخص کے دل کی حالت کیا جانیں۔ سالہا سال سے یہ اصرار کرتا چلا آ رہا تھا کہ میں اس کی دعوت قبول کروں۔ اور میں جانتا تھا کہ اس کے ہاں دعوت کھانا اس پر ظلم کرنا ہے۔ مگر اس کے اصرار کو دیکھ کر میں سمجھا کہ اب دعوت کو رد کرنا اس سے بھی زیادہ ظلم ہے۔ پس کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تنگی کی حالت میں بھی دل میں بشاشت پاتے ہیں اور غریب ہو کر بادشاہوں سے بھی زیادہ وسیع

الحوصلہ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی تائید نازل ہوتی ہے کیونکہ مؤمن کی تعریف اللہ تعالیٰ یہی بیان فرماتا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [۹] دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں ان کے سینے کھول دیتے ہیں [۱۰]۔ تو ایمان کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کا سینہ کھل جاتا ہے۔ جب قربانی کے بعد دل میں تنگی محسوس ہو' اس وقت سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی کامل ایمان حاصل نہیں ہوا۔ ایمان کی حالت میں انسان بشاشت محسوس کرتا ہے اور ایسی حالت میں اگر ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی خدا کی راہ میں دی جائے تو وہ مقبول ہو جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک صحابی نے سارا دن مزدوری کی اسے تھوڑے سے دانے اُجرت میں ملے اس نے ایک مٹھی دانے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کئے۔ منافقوں نے یہ دیکھا تو خوب قہقہے لگائے اور کہنے لگے کیا ان دانوں سے ملک فتح ہوں گے [۱۱]۔ حالانکہ انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اسے صرف دو مٹھی دانے ملے جن میں سے ایک مٹھی اس نے خدا کی راہ میں دے دیئے۔

پس اس کا اخلاص ان لوگوں سے ہزاروں درجے بڑھ کر تھا جو بہت سا روپیہ اپنے گھر میں رکھتے اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ تیسرا فرض جس کی طرف میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں' وہ وصیت کا مسئلہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ وصیت ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اور وہ اس کے ذریعہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون سچا مومن ہے اور کون نہیں [۱۲]۔ ہماری جماعت اس وقت لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ مگر وصیت کرنے والے صرف دو تین ہزار ہیں۔ حالانکہ وصیت ایسی چیز ہے جو یقینی طور پر خدا کا مقرب ہونا ظاہر کرتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مؤمن ہی وصیت کرتا ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ اگر کسی شخص میں کچھ کمزوریاں بھی پائی جاتی ہوں تو جب وہ وصیت کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے مطابق کہ بہشتی مقبرہ میں صرف جنتی ہی مدفون ہوں گے' اس کے اعمال کو درست کر دیتا ہے۔ پس وصیت اصلاح نفس کا زبردست ذریعہ ہے کیونکہ جو بھی وصیت کرے گا اگر وہ ایک وقت میں جنتی نہیں تو بھی وہ جنتی بنا دیا جائے گا اور اگر اعمال اس کے زیادہ خراب ہیں تو خدا اس کے نفاق کو ظاہر کر کے اسے وصیت سے الگ کر دے گا۔ غرض وصیت کرنے والے کو یا تو اللہ تعالیٰ اصلاح نفس کی توفیق دے کر جنتی بنا دے گا یا اسے وصیت سے الگ کر کے اس کے نفاق کو ظاہر کر دے گا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ قربانی کا درجہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

رکھا ہے یعنی دسواں حصہ، جماعت کا معتد بہ حصہ اس میں بھی حصہ نہیں لیتا حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت وصیت کی طرف توجہ کرے تو ایک کثیر حصہ بخوبی وصیت کر سکتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ توجہ نہیں کرتے۔ اب ہمارا سلسلہ خدا کے فضل سے اس مقام تک پہنچا ہوا ہے کہ بہت سی روکیں ہمارے راستہ سے دور ہو گئی ہیں اور کروڑوں آدمی ایسے ہیں جو مانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے تھے۔ مگر ضرورت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس پہنچیں اور انہیں سلسلہ میں داخل کریں۔ مگر ابھی سامان ہمارے پاس ایسے نہیں۔ جاہلوں کو جانے دو تم سمجھدار لوگوں سے بات کرو، فوراً تمہیں محسوس ہو گا کہ ان کے دل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے قائل ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کے پاس پہنچا جائے مگر اس کے لئے تبلیغی وسعت کی ضرورت ہو گی اور یہ وسعت پھر سرمایہ چاہتی ہے۔ اسی طرح سینکڑوں ممالک کے لوگ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی ہمارا مبلغ جائے، مگر ہم نہیں بھیج سکتے۔ گویا ایک زمانہ تو ایسا تھا کہ جب ہم لوگوں کو اپنی باتیں سنانا چاہتے تھے اور وہ سنتے نہیں تھے۔ یا اب یہ حالت ہے کہ لوگ ہماری باتیں سننا چاہتے ہیں اور ہم سنا نہیں سکتے۔ اس روک کو دور کرنا ہمارا فرض ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر دوست وصیت کی طرف توجہ کریں تو یہ روک اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد دور ہو سکتی ہے۔

پس یہ تین باتیں ہیں جن کی طرف میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ اول کشمیر کا چندہ ہے جو دوست غافل ہیں وہ توجہ کریں اور باقاعدہ اس میں حصہ لیں دوسرے واجبی چندوں کی ادائیگی کا مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص متواتر تین مہینے تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت میں سے نہیں [۳]۔ دوستوں کو چاہئے کہ وہ کمزوروں کو اٹھائیں انہیں چندوں کی ادائیگی کا فرض یاد دلائیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور مشکلات میں گھرا ہوا ہوں تو بھی اسے سمجھنا چاہئے کہ کامیابی بغیر مشکلات برداشت کئے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی تکلیفوں کے بعد آتی ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ چندوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہو۔ تیسرے وصیت کا مسئلہ ہے۔ یہ خدا نے ہمارے لئے ایک نہایت ہی اہم چیز رکھی ہے اور اس ذریعہ سے جنت کو ہمارے قریب کر دیا ہے۔ پس وہ لوگ جن کے دل میں ایمان اور اخلاص تو ہے مگر وہ وصیت کے بارہ میں سستی دکھلا رہے ہیں، میں انہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ وصیت کی طرف جلدی بڑھیں۔ انہی سستیوں کی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ

بڑے بڑے مخلص فوت ہو جاتے ہیں۔ان کے آج کل کرتے کرتے موت آجاتی ہے پھر دل کُڑھتا ہے اور حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش یہ بھی مخلصین کے ساتھ دفن کئے جاتے مگر دفن نہیں کئے جاسکتے۔سب کے دل ان کی موت پر محسوس کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ مخلص تھے اور اس قابل تھے کہ دوسرے مخلصین کے ساتھ دفن کئے جاتے مگران کی ذراسی غفلت اور ذراسی سستی اس امر میں حائل ہو جاتی ہے۔پھر بیسیوں ہماری جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دسویں حصہ سے زیادہ چندہ دیتے ہیں مگر وہ وصیت نہیں کرتے۔ایسے دوستوں کو بھی چاہئے کہ وصیت کردیں بلکہ ایسے دوستوں کے لئے تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں۔پھر کئی ایسے ہیں جو پانچ پیسے یا چھ پیسے فی روپیہ چندہ دے رہے ہوتے ہیں اور صرف دمڑی یا دھیلا انہیں وصیت سے محروم کر رہا ہوتا ہے۔غرض تھوڑے تھوڑے پیسوں کے فرق کی وجہ سے ہماری جماعت کے ہزارہا آدمی وصیت سے محروم ہیں اور جنت کے قریب ہوتے ہوئے اس میں داخل نہیں ہوتے۔پھر بعض لوگ مرض الموت میں وصیت کردیتے ہیں حالانکہ یہ وصیت منظور نہیں ہوتی۔رسول کریم ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا ہے۔وصیت وہی ہے جو حیات اور زندگی میں کی جائے اور غیر مشتبہ ہو۔پس دوستوں کو چاہئے کہ جو وصیت کے برابر چندہ دیتے ہیں اور ایسے سینکڑوں آدمی ہیں وہ حساب لگا کر وصیت کردیں۔بعض اگر غور کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ صرف ایک پیسہ زیادہ چندہ دینے سے ان کے لئے جنت کا وعدہ ہو جاتا ہے۔پس جس قدر ہوسکے دوستوں کو چاہئے کہ وہ وصیت کریں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وصیت کرنے سے ایمانی ترقی ضرور ہوتی ہے۔جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس زمین میں متقی کو دفن کرے گا تو جو شخص وصیت کرتا ہے اسے متقی بنا بھی دیتا ہے۔پس یہ میری تین نصیحتیں ہیں۔خصوصیت سے کمزوروں کو نصیحت ہے کہ وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنیں۔وہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر جنت سے محروم نہ ہوں اور ایسا نہ ہو کہ ان کے لئے وہی الفاظ کہنے پڑیں جو اللہ تعالیٰ نے کہے۔اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں جائے گا۔پس منافقوں کو چاہئے کہ وہ اپنی منافقت کو چھوڑ کر اخلاص کے مقام پر آجائیں۔عیش کے سامانوں سے کبھی جنت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ظاہری تکلیفوں کی وجہ سے جنت ضائع ہوسکتی ہے۔جنت ہر انسان کا دل اپنے لئے بنا سکتا ہے۔جس کا دل مطمئن ہے وہ جنت میں ہے اور جس کا دل مطمئن نہیں خواہ وہ روپوں کے ڈھیر رکھتا ہے تب بھی وہ دوزخ میں ہے۔

حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے کہ ایک غریب بیوہ عورت سے میں نے پوچھا تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو۔ اس کا ایک لڑکا بھی تھا اور بے حد غریب تھی۔ میں نے پوچھا کہ کسی مدد کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ وہ کہنے لگی اللہ نے بہت کچھ دیا ہوا ہے اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرماتے میں نے اس کا گھر دیکھا تو اس میں صرف ایک چھوٹا سا لحاف اور معمولی سی چارپائی تھی۔ میں نے پوچھا مائی تمہیں لحاف چاہئے۔ کہنے لگی مولوی صاحب میرا لحاف بڑا عمدہ ہے۔ خوب گرم ہو جاتی ہوں۔ آپ نے فرمایا سردی زیادہ ہے اور لحاف چھوٹا ہے گرم کس طرح ہوتی ہو۔ کہنے لگی ہم ماں بیٹا ایک ہی جگہ سو جاتے ہیں جب سردی لگتی ہے تو پہلے ایک پہلو کو گرم کر لیتے ہیں، پھر دوسرے کو۔ آپ اصرار کرنے لگے کہ کوئی ضرورت بیان کرو۔ مگر وہ یہی کہتی رہی کہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ آخر جب آپ نے زیادہ زور دیا تو اس نے کہا کہ اگر کچھ دینا ہی ہے تو موٹے حرفوں والا قرآن لے دیں۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے اور باریک حرفوں والے قرآن سے حروف نظر نہیں آتے۔ اب دیکھو یہ جنت کہاں سے پیدا ہوئی۔ اس کے دل میں جنت تھی، اس لئے باوجودیکہ حضرت خلیفہ اول نے اسکے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا کرنی چاہی پھر بھی پیدا نہ ہوئی۔ پس خدا نے اسے دنیا میں ہی جنت دے رکھی تھی۔ دراصل خواہشات کی زیادتی دوزخ ہے۔ جنت یہی ہے کہ دل میں اطمینان ہو۔ یہ جنت ہر شخص کے قبضہ میں ہے اور جو چاہے اسے لے سکتا ہے۔ امیر بھی لے سکتا ہے اور غریب بھی۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض امیر صحابی تھے جو قربانیاں کیا کرتے تھے۔ جس طرح آج کل بھی بہت سے امیر ہیں جو اخلاص سے قربانیوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان کے دل غریبوں سے کم مطمئن نہیں۔ اس وقت بھی ایسے لوگوں کو دیکھ کر غریبوں نے شکایت کی کہ یا رسول اللہ ظاہری تکلیفیں تو ہیں ہی لیکن ہم سمجھتے تھے کہ جو دل کا اطمینان ہمیں نصیب ہے وہ ان کو نہیں اس لئے ہم خوش ہیں لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا دل بھی اسی طرح مطمئن ہے جس طرح ہمارا۔ اس طرح یہ دنیا میں بھی آرام میں رہے اور آخرت میں بھی۔ رسول کریم ﷺ نے ان کے اخلاص کو دیکھ کر فرمایا آؤ میں تمہیں چند کلمات سکھاؤں۔ اگر ان کا ورد کرو گے تو پانچ سو سال پہلے جنت میں جاؤ گے۔ اس پر وہ خوش خوش چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے پھر شکایت کی کہ یا رسول اللہ وہ کلمات تو امیر بھی کہنے لگ گئے ہیں۔ دراصل ان امیر لوگوں کے دلوں میں بھی اخلاص تھا۔ جب انہوں نے رسول کریم ﷺ کے یہ سکھائے ہوئے کلمات سنے تو وہ بھی پڑھنے لگ گئے۔ جب آپ کے پاس شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا اگر کسی پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو رہا

ہو تو میں اسے کس طرح روک سکتا ہوں [۱۴]

پس جنت صرف غریبوں کے لئے ہی نہیں بلکہ امیروں کے لئے بھی ہے۔ جب قربانی اور اخلاص سے انسان جنت کا وارث ہو سکتا ہے تو یہ قربانی اور اخلاص جو بھی دکھائے گا جنت کا وارث ہو جائے گا خواہ امیر ہو یا غریب۔ اور قرآن مجید میں تو یہ مسیح موعود کے زمانہ کی علامت بیان کی گئی ہے کہ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ [۱۵] یعنی اس زمانہ میں جنت قریب کی جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا صحیح ترجمہ وصیت ہی ہے۔ یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں جنت اس طرح قریب کر دی جائے گی کہ لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ فلاں کو جنت مل گئی۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ قربانیوں سے اخلاص سے اور نیک نمونہ سے لوگوں پر اثر ڈالیں۔ اپنے ہاتھوں اور زبان کو قابو میں رکھیں۔ لڑائی بھڑائی چھوڑ دیں۔ نفس کو قابو میں رکھیں اور لوگوں کو یہ نمونہ دکھائیں کہ جب کوئی شخص احمدیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو اپنے قابو میں رکھ کر نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے ہمسائیوں کے لئے بھی جنت پیدا کر دیتا ہے۔ کیسا بد قسمت وہ انسان ہے جس کے پاس جنت ہو مگر وہ خود بھی جہنم میں پڑا ہوا ہو اور دوسروں کو بھی تکلیف میں مبتلاء رکھتا ہو۔

پس اکڑ باز ہونا، لٹھ باز ہونا اور لوگوں پر اپنی حکومت جتانا، یہ کوئی عزت کی بات نہیں ہوتی۔ ایسے لٹھ باز کے سامنے گو کمزور لوگ کچھ نہ کہہ سکیں اور جب ایسا شخص سامنے آئے تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بھی کہہ دیں لیکن پیٹھ پیچھے کہیں گے اس پر خدا کی لعنت ہو یہ بہت ہی بُرا آدمی ہے۔

پس لٹھ باز ہونے میں بڑائی نہیں بلکہ خدا کے لئے قربانی کرنے اور لوگوں پر شفقت اور احسان کرنے میں بڑائی ہے۔ ملنے والوں سے بد کلامی نہ کرو۔ میٹھی گفتگو کرو کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے اپنا دل بھی صاف رہتا ہے اور دوسروں کا بھی۔ اور جوں جوں دلوں کی صفائی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بھی زیادہ نازل ہوتی ہیں۔

(الفضل یکم ستمبر ۱۹۳۲ء)

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۲

۲۔ المائدة: ۲۵

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ بدر + سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۳۶ء

۴؎ المنٰفقون:۲

۵؎ الاحزاب:۲۴

۶؎ النور:۶۴

۷؎ مسلم کتاب الایمان باب بیان خصال المنافق و ترمذی ابواب الایمان باب ماجاء فی علامۃ المنافق

۸؎ النساء:۱۴۶

۹؎ الانشراح:۲

۱۰؎

۱۱؎ الانعام:۱۲۶

۱۲؎ الوصیت صفحہ ۳۰ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۲۸

۱۳؎

۱۴؎ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ

۱۵؎ التکویر:۱۴